بلوچستان اور وفاق: چند حقائق

Balochistan and Federation: Certain Facts

مترجم: لطیفہ کمال*

مترجم: ڈاکٹر بالاچ رشید**

Abstract

This study provides a historical account of democracy and federalism in Pakistan. The paper gives an overview of the federal structure in Pakistan and shows that how the diversified nature of its polity can be accommodated in pursuing federalism as a system of governance. Pakistan is of course a federation of multiple nationalities and ethnic groups hence federalism best suits the country. Within the federal framework the federating units or provinces enjoy a certain degree of autonomy. Whereas, the federalism in Pakistan has been successful in ensuring unity with cultural, social, historical and economic diversity of the federating units, the paper however highlights some of the gaps that could possibly provide a grounds for resentments and disillusion. The research provides some the prudent suggestions for bridging such gaps. Similarly, for democracy the thesis presents a brief account of democratic dispensations in the country. The paper attempts to analyse the reasons and consequences of the failure of democracy in Pakistan, and argues that how and why democracy is imperative for sustainable economic, polity and federation of Pakistan.

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف سوشیالوجی، لسبیلہ یونیورسٹی آف ایگریکلچر واٹر اینڈ میرین سائنسز اوتھل۔

** اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف اکنامکس، لسبیلہ یونیورسٹی آف ایگریکلچر واٹر اینڈ میرین سائنسز اوتھل۔

تلخیص

زیرِنظر مضمون میں پاکستان کی جمہوریت اور وفاقی حکومت کی جانچ پڑتال کی گئی ہے۔اس تحقیق میں پاکستان وفاق کے ڈھانچے کو بیان کیا گیا ہے جس میں مختلف لسانی گروہوں کی موجودگی اور ان کی سیاسی حیثیت، وفاقی حکومت کے نظام میں کیسے شامل ہیں۔اس کے علاوہ جس میں صوبائی حکومتیں اپنی مخصوص اور مختصر طاقت کے ساتھ وفاقی نظام کا حصہ بنی ہوئی ہیں۔ جہاں پر وفاقی نظام ان تمام صوبوں کی ثقافتی ،سماجی،تاریخی،اور معاشی امتیاز کے باوجود کامیابی کے ساتھ چلانے کی جتن کرتے ہوئے نظر آتی ہے لیکن صوبوں اور مرکزی حکومت کے مابین ایک خلاء موجود ہے جو کہ ناراضگی اور بدنظمی کیلئے میدان مہیا کرتا ہے موجودہ تحقیق اس خلاء کو پر کرنے کیلئے چند ایسے محتاط نقطہ نظر پیش کرتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ پاکستان میں موجودہ جمہوریت اور جمہوری تقسیم کیلئے ایک ایسا نقطہ پیش کرتے ہوئے جمہوری اور وفاقی ناکامی کو مرکزی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔اداروں کی آئینی حیثیت کے باوجود ان اداروں کو کس طرح زیرِ تسلط رکھا گیا ہے۔موجودہ تحقیق جمہوری عمل کی ناکامی کی وجوحات کا تجزیہ کر کے مختلف نقاط پیش کرتی ہے کہ کیسے اور کیوں جمہوری عمل کو چلانے اور بچانے کیلئے مستقل معاشی،مساوی تقسیم لازمی ہے۔ پاکستان میں جمہوریت اور وفاقیت کی تاریخ بہت تلخ اور پراسرار ہے جہاں عسکری قوتیں اپنی تسلط کو قائم رکھنے کیلئے نظریاتی تسلط کی فضاء برقرار کیے ہوئے ہے۔

زیرِ بحث تحقیق میں پاکستان کی سیاسی صورتحال اور آئینی اداروں کی کارکردگی کو تنقیدی نظر سے دیکھا گیا ہے۔جس کی بنا پر ملک کے صوبوں میں ایک اتصال کی صورت پیدا ہوئی جہاں پر مختلف نسلی یا قوم پرست گروہ کی سیاسی تحریکیں ابھری جہاں پر قوم پرست جماعتوں نے جمہوری حقوق کے کیلئے نعرے بلند کیے۔ پاکستان کی جمہوریت اور وفاقیت کی تاریخ بہت تلخ اور پرتشدد ہے۔جمہوریت کو حقیقی معنوں میں زندہ رہنے کیلئے سیاسی جماعتوں نے ہمیشہ کوشش کی ہے جسکی مثال اٹھارویں ترمیم کی صورت میں ہمارے سامنے ہے لیکن اس پر بھی قومی دفاع کے نام پر ایک اور رکاوٹ جمہوریت کی راہ پر عامل کی گئی۔

تعارف:

یہ پاکستان ہے جس میں تم رہتے ہو تم اور تمھارے والدین پاکستانی کہلاتے ہیں کیا تم اس بات پر فخر نہیں کرتے ہو کہ تمھارا اپنا ایک ملک ہے اور تم ایک آزاد ملک کے شہری ہو۔(سلمان رافع،۲۰۱۸)

زیر بحث تحقیق میں مختلف عناصر کو مدنظر رکھ کر پاکستانی سیاست کی جانچ پڑتال کی گئی ہے۔ بلوچستان اور پاکستان کے دیگر صوبوں میں شناخت اور پہچان اصل میں تضاد کی بنیاد بنائی ہوئی ہے۔مشترکہ شناخت پر پاکستان کی اصرار نہ صرف پاکستان کی پیچیدہ کثیر النسل معاشرہ سے انکار تھا۔ بلکہ اس کے بالاتر ہو کر وہ قومی مفادات کو بڑھاوا دینے پر زور دیتے رہے۔اسلامی نظریہ کے نام سے وہ ان اکثر نسلی جماعتوں کو ختم کر کے یک جہتی کے نظام کے تحت ایک ہی پارٹی کی حکومت کے قیام کی کوشش کر رہے تھے۔ دوسرے لفظوں میں ہم اسطرح کہہ سکتے ہیں کہ طاقت کا ارتکاز صرف چند ہاتھوں میں ہوتا ہے جس کی حفاظت کو یقینی بنانے کیلئے کبھی ون یونٹ اسکیم تو کبھی صدارتی نظام (مرکز) کی مضبوطی کا بے مثال نمونہ بنایا گیا۔

تاہم یہ اسکیمس نظریاتی طور پر اسلامی قرار پائی ہیں جن کا واحد مقصد حکمرانوں کے مفادات کو یقینی بنانا ہے۔ اشرفیہ اور اکابرین نے ان اسکیموں کی تشکیل نو کی ہے۔ تاکہ ریاست پر اپنا کنٹرول قائم کر سکیں وہ پاکستان کے بنیادی اختیارات کو علاقائی رقوم پرست گروہوں میں بانٹنے کو تیار نہیں۔کئی برسوں میں ان اکابرین اور بااثر اداروں نے مختلف نام نہاد اصلاحات، ترقیاتی اسکیموں اور فورمولے کے ذریعے غیر مساوی صورتحال کو برقرار رکھا۔ داخلی طور پر ایک تفریق اور امتیازی سلوک کے نظام کو متعارف کرایا۔

پاکستان کے حکمران طبقے کے اسلامی نظریے کو سیاسی طور پر استعمال کر کے ایک مشترکہ شناخت متعارف کرنے کیلئے استعمال کیا۔ اسی طرح مسلمانیت اور پاکستانیت کو غالب گروہوں نے سیاسی مہم جوئی کیلئے استعمال کیا طویل عرصے سے پاکستان سیاسی تنازعات اور وقومی تحریکوں کیلئے کشمکش کا مرکز بنا ہوا ہے۔ ریاست نے تمام لوگوں کیلئے مشترکہ مسلم تشخیص پر زور دیا۔ اسی طرح شناخت کھو جانے کا مطلب سیاسی طاقت میں حصہ داری اور معاشرتی اور اقتصادی محرومی ہے۔ پاکستان کی تشکیل کے فوراً بعد مسلم قوم پرستی یا پاکستان قوم پرستی کے تصورات کو سخت امتحان میں ڈالا (کامران اصدر علی ۲۰۱۱)

بلوچستان کے معاملے میں بلوچ شناخت کا مطلب، نہ صرف سیاسی طاقت سے محرومی بلکہ اپنے ہی علاقے کے قدرتی وسائل اور ذخائر سے ہاتھ دھو بیٹھنا۔ اسی طرح ایک طویل عرصے سے پاکستانی حکمران طبقہ اور بااثر ادارے بلوچ تشخیص کے تنازعے کو بلواسطہ اور بلاواسطہ بلوچی اور براہوی بولنے والے لوگوں کے مابین مختلف اختلافات پیدا کرنے میں کوشاں رہی۔ اگر چہ بلوچ مورخین بلوچی اور براہوی بولنے والے لوگوں کے مابین فرق کرتے ہیں۔ لیکن ان کے اتحاد کی بنیادی بلوچیت ہے۔ بلوچی کوڈ آف آنر (Code of honor) ہے جیسا کہ کچھ معاملات سے پتا چلتا ہے کہ یہ بلوچیت ہے جو ایک قوم کی حثیت سے بلوچ شناخت کا بنیادی ماخذ ہے۔ (عالیہ عامر علی، ۲۰۰۹)

پاکستان کے وجود کے بعد ایک اور اہم مسئلہ اسکے آئین کا بننا اور اسے عملی طور پر اداروں میں نافذ کرنا تھا۔ پاکستان میں آمریت کی وجہ سے کبھی بھی جمہوری حکومتیں اپنی معیاد پوری نہ کر سکی۔اس تحقیق میں ہم عوامی حکومتوں کا جائزہ لیں گے۔۱۱مئی ۲۰۱۳ میں پاکستانی عوام نے الیکشن میں پاکستان مسلم لیگ (ن) کے حق میں فیصلہ دیا۔اسطرح نواز شریف کو ہنگامی اقدامات کی بنا پر دوسری بار حکومت کے نصف دورانیہ میں ملک سے بے دخل کر دیا گیا۔موجودہ الیکشن مختلف وجوہات کی بنا پر تاریخی اور معنی خیز ہے۔کیونکہ پہلی بار ایک سویلین حکومت کی جگہ پر دوسری سویلین حکومت آئی ہے۔ppp کی جگہ پر PMLN اسمبلی میں ایک بڑی قوت کے ساتھ منتخب ہوئی۔

اسطرح پاکستان کی کمزور جمہوریت آگے بڑھتے ہوئے نظر آرہی تھی جمہوری عمل کو مضبوط اور کامیاب بنانے کیلئے پیپلز پارٹی کی حکومت نے ۲۰۰۸اور۲۰۱۳ کے درمیان کوشش کی وہ بے مثال ہے۔جسے آئین کی شق (اٹھارویں ترمیم) کی آمریت کے خاتمے کے باوجود رسمی طور پر حکومت کی اتھارٹی اب بھی افواج کے پاس تھی ،یعنی عملی طور پر اختیارات کا استعمال آمریت کے ٹھیکیداروں کے پاس رہیں۔سیاسی جماعتیں اور جمہوری حکومت برائے نام تھی۔آئین میں ترمیم تو کیا گیا لیکن اسے عملی جامہ پہنانا اور اداروں کو اس کے پابند بنانا انتہائی مشکل کام تھا مسلم لیگ (ن) کی حکومت کو ایک سال کا عرصہ ہوا تو دہشت گردی کا ایک بڑا واقعہ پشاور آرمی پبلک اسکول کی صورت میں پیش آیا۔جس کی بنیاد پر پارلیمنٹ مجبور ہوئی کہ اکیسویں آئینی ترمیم منظور کریں۔جس کی بنا پر افواج پاکستان اس قدر بااختیار اور خود مختیار ہوگئی کہ کسی بھی قانونی ضوابط یا فیصلے کو بر طرف کر سکتی تھی۔دہشتگردی کی خوفناک صورت نہ صرف مقامی کمیٹی میں پیش کی گئی جبکہ دہشتگردی کا شور ملک کے مختلف حصوں میں گونج اٹھا۔تعلیم یافتہ اور اشرفیہ طبقہ میں بھی اس کا حصہ بنی اسطرح ظاہری طور پر فوجی اختیار کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے۔پیپلز پارٹی کی حکومت نے ۲۰۰۸ سے۲۰۱۳ کے درمیان آئینی ترمیم کا عمل کر کے (اٹھارویں ترمیم) کی صورت میں آمریت کو ختم کرنے کی ایک کوشش کی جس میں سیاسی نظام میں وفاق کے ساتھ صدارتی نظام کو مضبوط کر کے صرف چند اختیارات مرکزی حکومت کے علاوہ باقی مانندہ اختیارات کو چاروں صوبوں میں تقسیم کرنا حتمی فیصلہ کیا گیا۔لیکن پارلیمانی اور صدارتی نظام کے مضبوطی کے ساتھ ساتھ یہ اختیارات اب بھی پاکستان کے بااثر اداروں کے پاس تھے۔

اگر پاکستان میں جمہوری صورتحال تلخ ہے کہ تو بغیر کسی رکاوٹ کے وفاقیت کی تلخ صورتحال کی تصویر کشی کی جا سکتی ہے۔جیسا کہ قومی یکجہتی کی بنیاد مذاہب پر رکھی گئی جہاں مختلف لسانی گروہ کا مطلب وفاقی سیاست میں رسمی طور پر کچھ بھی نہیں ،صرف وفاقیت ہے۔درحقیقت پاکستان ایک ایسا جدید ملک بن کر رہ گیا ہے۔

جہاں پنجابی مہاجر مغلوب جماعتوں کی وجہ سے مشرقی پاکستان (بنگلا دیش) الگ ملک کی صورت میں دنیا کے نقشے میں موجود ہے۔ موجودہ تحقیق میں پاکستانی جمہوریت اور وفاقیت کے متعلق ایک تاریخی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ پاکستان میں تیسرے وسیع مارشل لاء کے اختتام کے بعد ایک بار پھر پاکستان میں آئین کا بول بالا ہوا۔ ۲۰۰۸ کی جمہوری حکومت میں ایک امید کی کرن نظر آئی کیونکہ اس دوران پاکستان کے بااثر ادارے اور مغلوب جماعتیں قانون کے پابند ہوتے ہوئے نظر آ رہی تھی اس کے علاوہ زیر تسلط علاقوں میں قوم پرست جماعتیں جیسے سندھی، بلوچ، پشتون، غیر تسلی بخش حالات کے باوجود پاکستان جمہوریت کے ساتھ مستقل طور پر جوڑی ہوئی نظر آتی ہے۔

درحقیقت جمہوریت اور جمہوری عمل نظریاتی طور پر عمل پیرا ہے۔ جس میں جمہوری ادارے ضابطے طور پر افراد کیلئے مساوی معاشی، سماجی مواقع کی نمائندگی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ جس کے نتیجے میں پیچیدہ معاشرے میں امن وامان، باہمی تعاون اور سیاسی قوتوں میں استحکام کا ماحول واضع ہوتی ہے۔ لیکن اسے جمہوریت کو قطعی طور تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔

تقسیم شدہ معاشرہ:

جناب، اب ہمیں احساس ہو جانا چاہیے اور اتھارٹی اور اجارا داری کی معیشت ملک میں لائی گئی ہے۔ وہ ملک میں تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔ اگر آپ اس طاقت اور اجاداری کو برقرار اور مستحکم رکھے گئے تو نتیجہ بہت تکلیف دہ اور تباہ کن ہو گئے۔ جب لوگ یہ دیکھیں گے کہ ان کا مستقبل، زبان، تہذیب وثقافت محفوظ نہیں تو چند تقریروں سے ان کو فرق نہیں پڑے گا، بلکہ اپنی ثقافت، زبان اور مستقبل کی تحفظ کے لئے دوسرے طریقے سوچے گئے، اور طاقت کا استعمال کریں گے جیسے جیسے حالات پیدا ہوئے ویسے ہی راہنمائی تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ (غوث بخش بزنجو)

اسلامی نظریہ کو جس طرح اشرافیہ، حکمران طبقے نے سیاسی طور پر استعمال کر کے قومی شناخت پاکستانیت سوچ کی تعمیر کر کے ایک ایسا سیاسی ڈھانچے کی بنیاد رکھی۔ جو کہ خاص مغلوب گروہ کو مضبوط کرنا ہے۔ جبکہ پاکستانی وفاق کے باقی ماندہ یونٹس کو محرومی کا شکار بنانے اور دن بہ دن کمزور کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ (اختر سجاد، ۲۰۱۴)۔

اگر ہم پاکستان میں وفاقیت اور لسانی گروہ کے تضادات کا بغور جائزہ لیں تو مندرجہ ذیل عناصر زیر بحث

آ سکتے ہیں۔ جن میں اقتدار اعلیٰ وسائل اور ذرائع، تو آبادیات، ہجرت اور تحفظ زبان، تہذیب وثقافت اقتدار اعلیٰ میں ہم صوبائی حقوق، علاقائی خودمختیاری اور خودشناسی وہ عناصر ہیں جوکہ وفاق اور صوبوں کے مابین وقتاً فوقتاً پاکستان کی تاریخ میں نمایاں ہوتی رہی ہیں۔ جہاں ہر مغلوب حکمران طبقہ اپنی طاقت کو مضبوط کرنے کے لئے ملک میں مختلف پالیسیاں اختیار کی ہوئی ہیں جبکہ صوبے کی شناخت اور علاقائی خودمختاری اور حکمران سامراجیت کے خلاف آواز بلند کرتے رہے ہیں۔ علاقائی اور کی مضبوطی کیلئے مطالبات کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ (سلمان، ۲۰۱۸)

اسی طرح ذرائع اور وسائل صوبوں (نسلی گروہ) اور وفاقی مرکزیت کے مابین ایک اہم موضوع رہا ہے۔ وسائل اور ذرائع کو حاصل کرنے کی جدوجہد مدام واضع رہی جن میں مالی وسائل، ترقی، اخراجات آبپاشی کے پانی کا حصہ (صوبوں کے مابین) سرکاری ملازمین (کوٹہ) شامل ہیں اس کے علاوہ ملٹری افسران اور سول بیوروکریسی میں تقرریوں کے اصول نمایاں ہیں۔ (عمران، اکرام الحق، ۲۰۱۶)

جبکہ صوبوں میں آبادی، ہجرت کی بنیاد پر اور محدود وسائل ان آبادیوں کی وجہ سے صوبے پر وسائل کا دباؤ اوران میں تناسب میں بڑا فرق پایا جاتا ہے جوکہ قوم پرستی کی جماعتوں کو اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

جس کی وجہ سے ایک اور عناصر ابھر کر سامنے آتی ہے جوکہ زبان اور ثقافت کے تحفظ اور اس کی فروغ کا مسلہ جبکہ مغلوب گروہ کی ثقافت اور زبانوں پر حاوی اور مغلوب ہو جاتی ہے۔ جبکہ ترقی کے تمام تر مواقع ان کے حصے میں آتے ہیں جبکہ مقامی لوگ اپنے ہی علاقے میں محرومیت کا شکار ہوکر رہ جاتے ہیں۔

اسی طرح پاکستان میں ریاستی اداروں اور سیاسی جماعتوں پر بیوروکریسی اور اسٹیبلشمنٹ کو فوقیت حاصل ہے اس کے ساتھ ساتھ لسانی امتیاز ریاستی اداروں میں بھی نمایاں ہے۔ (سی ایف، وسیم ۱۹۹۴، علوی، ۱۹۹۰، جلال، ۱۹۹۵، احمد، ۱۹۹۸ اور خان ۲۰۰۵)۔ اس حقیقت کے بارے میں بہت کم معلومات سامنے آتی ہیں۔ اگر ہم سیاسی حوالے سے سیاسی جماعتوں کی پیائش کریں تو یہ معاشرہ بھی تقسیم ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ (سی ایف، سید ۱۹۹۱)۔

مختصراً یہ ہے کہ پاکستان کے چاروں صوبوں میں کسی بھی جماعت کو مشترکہ حمایت حاصل نہیں۔ اس بات کی وضاحت ۲۰۱۳ کے عام انتخابات میں ثابت ہوئی جیسے پاکستان مسلم لیگ (ن) صوبے پنجاب سے جیتا۔ تو تحریک انصاف کو خیبر پختونخوا میں اکثریت حاصل ہوئی۔ جبکہ پاکستان پیپلز پارٹی اور متحدہ قومی مومنٹ سندھ سے کامیاب ہوئی اسی طرح بلوچ اور پختونخواہ کی مشترکہ جماعتیں بلوچستان سے کوئی بھی جماعت مشترکہ طور پر عوام کی نمائندگی نہ کر سکا سرکاری ثبوت یہ پیش کرتے ہیں کہ پاکستان پیپلز پارٹی مشترکہ طور پر معنی

خیز انداز میں دیہی علاقوں کی غریب عوام میں زیادہ مقبول ہے (سی ایف، اختر سجاد، ۲۰۰۸)

سیاسی جماعتیں لسانی یا طبقاتی اہمیت کو کم کر رہے ہیں خاصکر پنجاب میں سماجی تبدیلی اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے علاوہ کوئی اور سیاسی جماعت عوامی نمائندگی کو مضبوطی کے ساتھ ثابت نہیں کر پایا۔ ان تمام واضح ثبوتوں کے باوجود معاشرہ اور سیاست اس قدر منقسم ہے لیکن پاکستان کے طول وعرض میں قومی اتحاد و اتفاق کے نعرے بلند و بالا ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکستان کی طویل تاریخ میں ریاستی اور معاشرتی اداروں کے درمیان ایک پیچیدہ تضاد کی صورت نمایاں ہے۔ ۱۹۷۱ میں ملک کی مشرقی حصے کی علحیدگی کے بعد مختلف قوم پرست تحریکوں اور ریاست کے مابین مسلسل تصادم اور مایوس کن ماحول غالب رہی ہے ملک کے توڑنے سے پہلے اور بعد میں تاریخ کو غلط رنگ دے کر تحریری طور پر واضع کی گئی ہے۔ (سی ایف، عزیز ۱۹۹۳)

قومی سلامتی:

پاکستان اپنے وجود کے نصف صدی تک آمریت کے زیر اثر رہا ہے۔ جو نام نہاد آئین (قانون) نظریاتی ضروریات اور ملکی سیاست کی راہ میں رکاوٹ کا اہم ذریعہ بنی۔ (نیو برگ ۱۹۹۵)

ابتدائی دور میں اردو بولنے والے مہاجریں پنجابی اکابرین اور تعلیم یافتہ متوسط طبقہ آمریت کے حمایتی تھے۔ تاریخی طور ہر جائزہ لیا جائے تو مہاجر اور پنجابی اکابرین ریاستی سطح ہر ملازمت کے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ بیوروکریسی اور فوجی عہدوں پر خاص کر شمالی پنجاب کے چھوٹے قصبوں کے لوگ بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ (سی، ایف، خان، ۲۰۰۵، پاشا، ۱۹۹۸)

اسی طرح مہاجرین اور پنجابی صوبے کے اکابرین ریاستی نظام کو چلانے ،قومی سلامتی کی دفاع کا حوالہ دے کر برائے راست ریاستی ضابطے کے طور پر استعمال کرتے آرہے ہیں۔

بنگالی، پشتون اور بلوچوں کی مختلف قوم پرست تحریکوں کو رد کرتے ہوئے قومی سلامتی اور دفاع کو فوقیت اور اہمیت دی جبکہ یہ تحریکیں ان اکابرین کے خلاف تھیں۔ اصل میں قومی سلامتی کا نعرہ صرف ان قوم پرست تحریکوں کو پس پشت رکھنا ہے۔ اور مرکزیت کی قوت اور ریاستی نظام کو اپنے حمایتی جماعتوں کے ساتھ مل کر ملک میں اپنی حیثیت کو مضبوط کرنا تھا۔ اسی طرح قوم پرست تحریکیں یکساں وجوعات کی بنا پر منظّم طور پر محدود رہیں۔ اپنے حقوق کی جنگ لڑنے والوں کو سوویت یونین کی حمایت قرار دیتے ہوئے انہیں بین الاقوامی کمیونزم کے

ایجنٹ اور قومی سلامتی کی راہ میں رکاوٹ ظاہر کرتے ہوئے دبانے کی کوشش کی گئی۔ (تور، ۲۰۱۱)

مشرف کا دورِ حکومت:

سرد جنگ اور کمیونیزم سے متعلق چیلنجز اختتام پذیر ہوئی لیکن قوم پرستی اب بھی قوم سلامتی جمہوریت اور وفاقیت کیلئے خطرہ رہی۔ انہیں ہمیشہ دشمن جاسوس اور ملکی سلامتی کیلئے خطرہ بنا کر پیش کیا گیا۔ گیارہ سالوں میں چار منتخب حکومتوں کو مدت پوری کیے بغیر ختم کر دیا گیا اسی طرح جنرل پرویز مشرف نے پاکستان میں ایک بار پھر فوجی آمریت کی بنیاد رکھی اسی طرح مہاجریں، پنجابی اور اکابرین طبقے ان علاقوں میں اپنی قوت کو محفوظ رکھنے کا ڈنکا بجاتے رہے یہ آمریت بھی باقی آمریت کی لاٹھی کے زور پر پنجابی مرکزیت سے سرکش لوگوں کو انتقام کا نشانہ بناتے رہے۔ جبکہ عالمی سطح پر مشرف کی حکومت اور اس کی پالیسی مسلم سرکشوں، نام نہاد دہشت گردوں کے خلاف پشتون کے جنوب مغربی علاقوں میں جنگ کی شکل میں مصروف عمل رہی، مشرف کی مارشل لاء عروج پر تھی اسی دوران سرکشوں کے خلاف ایک اور جنگ ملک کے بڑے صوبے کی شمالی علاقوں میں شروع ہوئی، جیسا کہ ایک صحافی (والش، ۲۰۱۱) نے اسے بلوچ قوم پرستوں کے خلاف پانچویں جنگ قرار دیا، جیسے شروع میں پاکستان سے آزادی کی بنیاد پر لڑی گئی لیکن آہستہ آہستہ (قدرتی وسائل اور شناخت) کو بنیاد بنا کر جنگ لڑی گئی۔

۱۹۷۰ میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد پاکستان کی ہر حکومت اور آمریت کی یہی کوشش رہی کہ اسے تحریکوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ اس لئے مشرف نے ان جیسی تمام تحریکوں کی سد باب کے لئے ایسی پالیسیاں اپنائی جیسے مشرف کا اعلان کہ بلوچ باغیوں کو پتہ نہیں چلے گا کہ ان کو کون اور کہاں سے مار رہا ہے۔ (گزر، ۲۰۰۶) حکومتی مخالفت، حکومتی جبر کے باوجود اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ بلوچ قوم پرستوں کی طویل تاریخی تحریک پاکستان بیوروکریسی کے ہاتھوں مختصر شکست کا سامنا ہوا۔

درحقیقت عسکریت پسند ایک سیاسی تحریک کے بجائے مختلف جماعتوں کی صورت میں کام کر رہے ہیں۔ اور پورے بلوچ معاشرے میں انہیں بڑی حمایت حاصل ہے۔ ماضی اور حال میں بلوچ قوم پرستوں کی تفصیل پر روشنی ڈالنا آسان نہیں۔ اس حوالے سے مجید اصغر لکھتے ہیں کہ صوبہ بلوچستان جو صرف ۷ انشستوں پر مشتمل ہے۔ قومی سطح کے لیڈروں کی عدم دلچسپی کے باعث ان صوبوں میں اپنا وقت کم صرف کرتے ہیں جہاں انہیں زیادہ ووٹ اور زیادہ نشستیں نہ ملنے کے مواقع ہوں۔ اسلیئے یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ قومی پالیسیوں کی تشکیل میں بلوچستان کے سیاسی قائدین کا حصہ بس واجبی سا ہی ہوتا ہے۔ ان کی سیاست زیادہ تر

اپنے انتخابی حلقے یا قبیلے تک محدود رہتی ہے اس طرح ان پارٹیوں کی قیادت موروثی ہوتی ہے۔(۲ مئی ۲۰۱۱، روزنامہ جنگ)

یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ملک میں بڑھتی ہوئی بدنامی اور لاقانونیت، سیاسی انتشار و محاذ آرائی، آئینی و قانونی معاملات پر عدلیہ سے آنکھ مچولی، بدعنوانی و بددیانتی پر مبنی مقدمات کی بھرمار، تیزی سے بگڑتی ہوئی معاشی صورت حال اور پرامن علاقوں میں دہشت گردوں کی خودکش کاروائیوں کی وجہ سے بلوچستان کے مسلہ کو ثانوی حاصل ہوگئی ہے۔

بلوچستان کی صورتحال کے حوالے سے ایک سابق آئی جی پولیس بتاتے ہیں کہ صوبائی حکومت سیاسی عزم سے عاری کرپشن میں دھنسی ہوئی ہے۔صوبائی بیوروکریسی نااہل اور امن عامہ کو کنٹرول کرتے کے جدید طریقوں سے ناواقف ہے۔اس صورت حال سے نمٹنے کیلئے ایف سی کو شاہراہوں پر گشت اور مجرموں کو پکڑنے کیلئے لگا دیا گیا۔ماہرین کے مطابق یہ وہ کام ہے جس کی اسے تربیت ہی نہیں دی گئی۔ایف سی جن کو سرحدوں کی نگرانی کیلئے نافذ کیا گیا تھا۔ان کو بلوچستان کے مقامی علاقوں میں ڈیوٹی پر نافذ کر دیا گیا۔اس وقت ایف سی پر بلوچ مزاحمت کاروں اوران کے لیڈروں کو غائب کرنے اور تشدد کے بعد مار کر ان کی لاشیں پھینکنے کا الزام ہے۔اس سے نہ صرف ایف سی بلکہ قانون نافذ کرنے والے تقریباً تمام اداروں کے خلاف بلوچوں میں نفرت اور اشتعال کے جذبات کو ہوا اور علیحدگی کی تحریک کو مہمیز ملی ہے۔ایف سی کے خلاف عوامی ردعمل سے گھبرا کر وفاقی حکومت ایک سے زائد مرتبہ اسے صوبائی حکومت کے کنٹرول میں رہنے کا اعلان کر چکی ہے مگر حکومتی مخالفین کے بقول عملی صورتحال اب بھی یہی ہیکہ ایف سی صوبائی حکومت کے کنٹرول میں نہیں بلکہ صوبائی حکومت ایف سی کے کنٹرول میں ہے۔مختلف سیاسی لیڈر اور تجزیہ نگاران تمام حالات کو بااثر ادارے کے ہتھکنڈے ظاہر کرتے ہیں جو کہ طاقت اور اقتدار کو مستقل طور پر اپنے ہاتھ میں لینے کے خواہش مند ہیں(اصغر مجید، ۲۰۱۲)

زیر بحث تحقیق میں خاص کر مشرف کی ڈکیٹیٹر شپ کے دور کو مرکزی حیثیت کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ جس نے اس تنازعہ کو مزید بڑھایا۔

۲۰۰۶ میں نواب اکبر بگٹی کی ہلاکت کے بعد بلوچستان اور سندھ کے کچھ علاقوں میں تشدد کی آگ مزید بھڑک اٹھی۔تقریباً تمام سیاسی اور آمریت مخالف قوتوں نے اس ردعمل کے خلاف ریلیاں نکالی۔بلوچ قوم پرستوں نے ایک عظیم الشان قبائلی معتبرین کی نشست کو بلایا۔جس میں ۸۵ قبائلی سرداروں سمیت ۳۸۰ سے

زیادہ رہنماؤں نے شرکت کی، مشرف کا یہ دعویٰ کہ تین سرداروں کے علاوہ باقی سب اس کے حمایتی ہیں اسی طرح ۲۰۰۷ میں خیر بخش کے بیٹے بالاچ مری کو ایک حملے کے دوران ہلاک کر دیا گیا۔ بالاچ مری کی موت نے بلوچستان میں ایک اور تشدد کی لہر کو اکسایا ان حالات کی بنا پر بلوچستان کی چار اہم سیاسی جماعتوں نے ۲۰۰۸ کے انتخابات کا بائیکاٹ کیا اسطرح صوبائی حکومت ایک معتبر قوم پرست سیاسی جماعت کی نمائندگی سے محروم ہو گیا۔ بلوچستان میں سیاسی جماعتوں کی قیادت کا عمل ۱۹۴۷ کے بعد ہی شروع ہوا ہے۔ اسی طرح ۴ اپریل ۲۰۰۴ کو کیچ کے قریب بلوچ نیشنل مومنٹ (بی این پی) کے صدر غلام محمد بلوچ، لالہ منیر، اور بلوچستان ریپبلکن (بی آر پی) کے شیر محمد بلوچ کی لاشوں کی دریافتی نے اس آگ کو مزید ہوا دی۔ (فیروز احمد، ۱۹۹۹)

پاکستان میں آزادی کے بعد ہی ایک ایسی پالیسی اختیار کی گئی تھی جسکا مقصد ملک کی انتظامیہ صرف ایک یا چند علاقوں میں منتقل ہوں اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے اسلامیزیشن کا برینڈ استعمال کیا گیا۔ تاکہ نئی بننے والی ریاست حکمران یا اشرفیہ طبقہ اپنے دلچسپی اور مقصد کیلئے استعمال کریں۔ جس کی وجہ سے پاکستان میں موجود صوبوں میں محرومی اور ناامیدی کی ایک پکی سوچ تعمیر ہو چکی ہے۔ اس ناامیدی کیلئے قوم پرست گروہیں جدوجہد کرتی ہوئی نظر آتی ہیں (سلمان ۲۰۱۸)

جس نے جمہوری تبدیلی کو ایک نئے رنگ میں ڈال دیا خاص کر آمری حکومت کی لرزہ خیز پالیسی جس کے نتیجے میں بلوچ نوجوانوں کا غائب ہونا اور اکثر مسخ شدہ لاشیں اغوا کرنے کے بعد عوامی جگہوں پر آمد ہونا عام ہو گئیں تھیں۔ آج اصل صورتحال یہ ہے کہ ملک میں نہ کوئی جمہوریت ہے اور نہ کوئی جمہوری ادارہ اور نہ سیاسی بساط پر کوئی حقیقی قومی لیڈر بس بحران ہی بحران، سیاسی بحران، معاشی بحران اور اخلاقی بحران، ۱۹۷۰ کے بعد تو سیاسی عمل کی براہ راست مداخلت معمول بن گیا۔ سیاسی جماعتیں توڑی گئیں تقسیم در تقسیم کرائی گئیں مشرقی پاکستان کو گنوانے کو بعد نیشنل عوامی پارٹی کی سرحد و بلوچستان کی منتخب حکومتوں کو ختم کر کے پارٹی پر پابندی لگا دی گئی اسی طرح سیاست دانوں کو قید و بند کر کے کارکنوں کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنا کر ملک بدری پر مجبور کیا اصل میں یہی حکمران کا نصب العین تھا کہ کوئی سر اٹھا کر نہ چلے۔ درحقیقت مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد جاندار سیاست کے راستے کے مسدور ہو کر رہ گئے ہر دور میں نئی سیاسی ڈھانچہ ہے نئے سیاسی لوگ اور نئی پارٹیاں بساط پر لائی گئی۔ (محمد فیاض)

ستر کی دھائی میں بھٹو صاحب نے غیر سیاسی ہتھکنڈوں سے سیاسی کارکنوں کی تذلیل کی اور جس طرح نقلی سیاستدان پیدا کئے گئے جھوٹے الیکشن اور الیکشن کے جھوٹے نتائج سے حکومتیں بنائیں۔ اس سے ملک میں

لوٹے اور لٹیروں کی افزائش کی بنیاد رکھی۔ اور آج تک بہت شدومد سے جاری ہے۔ بلکہ اس میں نت نئے اسلوبوں کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔

اس کی واضح مثال الیکشن میں بی اے کی شرط عائد کرنا اور پھر اس پر سرٹیفیکیٹ کے حصول کیلئے طرح طرح کے طریقے ڈھونڈ وانا یہ سب جمہوریت کش پالیسیوں کی مثالیں ہیں (نعمت اللہ۲۰۱۲)۔

پاکستان میں وفاقیت کی صورتحال:

مشرف کی طویل دورآمریت کا خاتمہ تمام اانتخابات کی صورت میں اختتام پزیر ہوا۔ لیکن عام انتخابات کے باوجود جنرل صدارتی عہدے پر چند مہینوں تک مقیم رہے۔ جس کے بعد پیپلز پارٹی کے چیف آصف زرداری صدارتی سیٹ پر نامزد ہوئے۔ نئے صدر پاکستان جمہوریت اور وفاقیت کے ضامن بنے۔ پیپلز پارٹی کے ابتدائی مہینوں میں بلوچ قوم پرست کا مسلہ غالب آتا رہا۔

پیپلز پارٹی کی حکومت کا اہم اور کامیاب سیاسی کارنامہ آئین کی اٹھارویں ترمیم ہے۔ جس کے ذریعے پارلیمانی حکومت کو دوبارہ قائم کیا گیا اور اپنے اختیارات کے ذریعے منتخب کردہ اسمبلیوں کو تحلیل کیا۔ اسی دوران قریبا چالیس دن بعد نام نہاد مسودہ اختتام پذیر ہوا۔ ۱۹۷۳ کی آئین کی منظوری سے قبل پارلیمانی جماعتوں کے درمیان اس معاہدے پر دستخط ہوئے اور اس بات ہر متفق ہوئے کہ تعلیم، صحت اور دیگر ان جیسے موضوعات کو ایک فہرست میں شامل کیا جائے گا۔ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے دائرہ اختیار پر غور کیا جائے گا۔ اس سال کی مدت کے بعد وفاقی حکومت ان اختیارات کو صوبوں پر چھوڑ دے گی۔

اس کے باوجود ۱۹۷۳ء کا یہ وعدہ کبھی پورا نہیں ہوا۔ آمریت چھ سالوں سے ملک پر نافذ تھی۔ آئینی حکمرانی ایک خواب بن گیا تھا۔ لہذا مشرف کے بعد ایک طویل انتظار صوبوں کے با اختیار ہونے کا فیصلہ جمہوریت اور وفاق کی تاریخ میں ایک اہم پیشرفت کی نشاندہی تھی۔

اٹھارویں ترمیم کے بعد پی پی پی حکومت نے آغاز حقوق بلوچستان کے اقدام کے ذریعے سب سے زیادہ متاثرہ وفاقی یونٹ بلوچستان تک پہنچنے کی ایک بڑے پیمانے پر پاکستانی بلوچوں کیلئے ایک مثبت پرگرام چلانے کی کوشش تھی۔ سرکاری ملازمین، تعلیمی اداروں میں کوٹہ دیگر جاری ایک طویل الیسے سے دوچار قوم کی نا امیدوں کو مٹانے کی کوشش کی گئی۔

اسی طرح ۲۰۰۰ کے دوران مشرف نے قوم کو ان ایف سی ایوارڈ کا تحفہ دیا جس کی بنیاد کم وبیش آبادی

رکھی گئی چونکہ محاصل مرکز کے پاس رہے اور ہر چیز غیر آئینی اور غیر قانونی طور پر عمل پذیر ہوتی رہی۔ بلوچستان آج تک اپنی ملکیت اور محاصل کی تقسیم کا مسلہ پیش کر رہا ہے۔ آج تک ملک میں اکثر یا فوجی حکمرانی رہی یا وہ حکومتیں آئیں جنہوں نے آمریت کے کوک سے جنم لیا ہو۔ ان دونوں کے عمل اور سوچ ایک ہی رہی ہے۔ اور انہوں نے ان کی ہی بی ٹیم کے طور پر کام کیا۔ بلوچستان کے حوالے سے ہر مرکزی حکومت کا رویہ اور سلوک نو آبادیاتی رہا ہے۔ اور یہی صوبائی حکومت کا عوام کے ساتھ رہا جو اوپر کے اشاروں پر چلتی رہی جو حقوق کے مانگنے کی پوزیشن میں نہیں رہی اگر استدعا کی گئی تو صرف اپنے ذاتی اخراجات پورا کرنے کی حد تک رہی۔

پاکستان ایک پارلیمانی وفاق حکومت ہونے کے باوجود عملاً ایک وحدانی قسم کا ملک ہے جہاں سارے مالی اور انتظامی امور و معاملے مرکز کے کنٹرول میں ہیں۔ وہاں سے عملا کوئی راضی ہوگا تو ملے گا اس وقت زرعی پراپرٹی ٹیکس کے علاوہ باقی سارے ملکی وسائل مرکزی حکومت وصول کرتی ہے۔

بلوچستان میں امن قائم کرنے کیلئے بلوچ کا اعتماد بحال کرنا لازمی ہے۔ جس کیلئے سب سے پہلے بلوچستان سے جنگی اور فوجی حکمت عملی کو ترک کر کے سیاسی عمل کو تیز کرنے کی ضرورت ہے۔ سیاسی حوالے سے اعتماد کی بحالی اولین اہمیت کا حامل ہے۔ اور یہ چند بنیادی سیاسی اقدام کے آغاز سے ممکن ہے۔ (نعمت اللہ، ۲۰۱۲)۔

حکومت کے رویے سے مزید بے اعتمادی پیدا ہوگئی۔ جمہوری سیاسی تحریک میں تشدد کا عنصر نمایاں ہو گیا ہے۔ بلوچستان میں پیکجوں کی کہانی نئی نہیں ہر دور میں ناانصافیوں اور ظلم و استداد کے خلاف بلوچ کے احتجاج اور بے چینی کو دبانے کیلئے مراعات کے وعدے کی صورت میں سبز باغ دکھائے گئے ہیں اسی طرح منتخب حکومت کی طرف سے بلوچستان میں چند مثبت اقدامات کیے بدقسمتی سے ان تمام اقدامات کے باوجود مشرف کی عسکری حکومت کی حثیت اپنی جگہ برقرار رہی۔ (نعمت اللہ ۲۰۱۲)

مختصراً یہ کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے اپنے مخصوص اختیارات کو اس طرح بلوچستان میں لطف اندوزی کے ساتھ نہیں گزارے جسطرح ملک کے دیگر حصوں میں اپنے اختیارات کا استعمال کیا، بلوچستان کے وزیراعلی اسلم رئیسانی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ریاستی ادارے بلوچ نوجوانوں کے قتل اور اغوا میں براہ راست ملوث تھے (رضا، سہیل ۲۰۱۰)

نہ صرف سیاسی حکومت ان بااثر اداروں کے سامنے بے بس اور مجبور نظر آتی ہیں بلکہ ملکی عدلیہ بھی ان کی مرضی کے خلاف فیصلے کرنے سے قاصر ہے۔ لاپتہ افراد اور اغوا کاروں کے لواحقین اور گواہوں کے باوجود عدلیہ ان بااثر اداروں کے ڈائیرکٹر جنرل کو مجبور نہ کر سکا کہ لاپتہ افراد کو منظر عام پر لایا جائے۔ (ذولفقار ۲۰۱۳)

ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ ملک کی سب سے بڑی پاکستان کی وفاقی جمہوریہ کیلئے سب سے اہم آزمائشی کیس، پی پی پی کی حکومت اپنی مدت ملازمت پاکستان کی تاریخ میں پورا کرنے کے باوجود اسے سیاسی دائرے میں واپس نہ لاسکی۔ درحقیقت، مئی ۲۰۱۳ عام انتخابات کے وقت شدت پسندی کی شورش ایک دہائی سے جاری تھی۔ جس نے تقریباً تمام بلوچ علاقوں کو اپنے لپیٹ میں لیا تھا۔ جو کہ مرکز سے صوبے کے جنوبی حصوں کی طرف پھیل گیا۔ جو کہ ایک متوسط طبقے کی قیادت پر منحصر تھی۔ اس سے قبل مری، بگٹی اور مینگل قبائل سردار سابقہ شورشوں میں آگے رہے تھے (احمد، مہوش، ۲۰۱۴)

۲۰ مئی ۲۰۱۳ کے عام انتخابات میں ووٹرز کی ووٹنگ (رائے دہندہ کی رائے) حیرت انگیز طور پر کم تھی۔ ۶۰۰ سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے پر ایک امیدوار قومی اسمبلی میں جیتا (ساہی، ۲۰۱۳) جب انتخابات کے نتائج سامنے آئے تو بلوچ قوم پرست پارٹی (این پی) برسراقتدار آئی۔ نئے وزیراعلیٰ عبدالمالک بلوچ کو عسکریت پسند قوم پرستوں کے چیلنج کا سامنا تھا۔ جو کہ بڑی حد تک بلوچ عوام کی نمائندگی کرنے میں کامیاب رہا۔

نیشنل پارٹی اس عزم کے ساتھ آگے آیا کہ صوبے کے بنیادی مسئلوں مثلاً لاپتہ افراد کا مسئلہ اور عسکریت پسندوں کے بڑے سوال کو حل کر کے جمہوریت اور وفاقیت کے وعدے کو حقیقت میں بدل دیں گے۔ حکومت کی بھاگ دوڑ سنبھالنے کے بعد نیشنل پارٹی کو پہلے بڑے امتحان کا سامنا کرنا پڑا۔ جب آواران (جو کہ عسکریت پسندی کا ایک اہم علاقہ تھا) قدرتی آفت زلزلہ کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ بات فوری طور پر واضح ہوگئی کہ بلوچستان میں کون سی طاقت غالب ہے اور بااثر ہے۔

جسطرح فوج نے علاقہ کو مکمل طور پر سیل کر دیا۔ امدادی کاموں کو منظم کیا۔ منتخب حکومت کے کنٹرول کو محدود کیا جمہوری کنٹرول کے دائرے کار کی تصدیق اس وقت ہوئی جب وزیراعلیٰ بلوچستان ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ نے پریس کانفرنس میں غیرملکی امدادی تنظموں سے زلزلہ متاثرین کی امداد کے منتظر ہونے کی درخواست کی (شاہ، ۲۰۱۳)۔ ان تمام باتوں سے یہ واضح ہے کہ ڈاکٹر صاحب ملٹری ٹاپ براس کی ویٹو پاور کو تسلیم کر رہے تھے۔

نتیجہ:

طویل تاریخ سے بلوچ طاقوم پرست گروپ کو تجزیاتی طور پر دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے موجودہ پاکستان میں اب بھی یکجہتی قوم پرست اور فوجی آمریت کی وراثت برقرار ہے۔

اس کے باوجود ۲۰۱۳ کے منتخب حکومت نے پاکستان میں سیاسی اور پرامن کی حقیقیت کو یقینی بنانے کیلئے

کوشش کی۔ پاکستان میں صرف بلوچ تاریخی طور قوم پرستی کی نمائندگی نہیں کرتے بلکہ پشتون قوم پرست با آواز بلند اپنی حقوق کی جنگ لڑ رہے ہیں ۔جس کی تصدیق ریاستی ادارے بڑے وظائفانہ انداز میں کرتے ہیں۔اسلئے ان جمہوری اداروں پر بھی یہ سوال اٹھتا ہے کہ وہ قانون اور آئین کی پاسداری نہیں کرتے ہیں (سی ایف، اختر، سجاد، ۲۰۱۴)

ایک اور گیم چینجر پنجاب کے جنوبی اور مغربی حصوں میں سرائیکی قوم پرست تحریک ہے۔ جو ایک علیحدہ سرائیکی صوبے کے خواہاں ہے۔ جو ان تحریکوں کی کھیل کو مستقل طور پر تبدیل کر دیں گے۔ جو کہ پنجاب کی تسلط کو دوبارہ پیش کریں گے۔اس کہ باوجود یہ صرف ریاست کے باضابطہ اداروں میں ہی نہیں بلکہ جمہوریت اور وفاقیت کے جنگ کا فیصلہ کیا جائے گا۔نسلی قوم پرستوں کو صوبے پنجاب کے بیشتر حصوں میں مشکوک نظر سے دیکھا جایا ہے۔

دوسری طرف کچھ قوم پرست جماعتیں اپنے نقطہ نظر میں مضحکہ خیز ہوتے جارہے ہیں۔ غیر جنگجو جو کہ قومی آزادی سے وابستگی کا مظاہرہ کر رہے ہے۔ان کے خلاف ایک پرتشدد تحریک ابھرتے ہوئے نظر آرہی ہے۔ مختصراً یہ کہ نسلی یا گروہ پاکستانی معاشرے میں فرقہ وارانہ پولرائزیشن کا ذکر نہیں کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر انہیں آمرانہ ریاست کی سازشوں سے منسوب کیا جائے تو وہ اپنے آپ ہی ایک چیلنج ہے۔ بڑی حد تک اس چیلنج کو جمہوری سیاسی قوت کے روبرو ہونا پڑیگا۔ تاہم پاکستان میں بھی دیگر مما لک کی طرح انتخابی دور عملی سیاست کا رجحان ہے۔اس کی ایک مثال ملکی معاشی مرکز کراچی ہے۔ جو کہ لسانی یا گروہ فسادات کی گڑھ بن گئی ہے۔ خاص کر مختلف جماعتیں نہ چاہتے ہوئے بھی مدمقابل ہیں درحقیقت ۱۹۷۰ کے بعد جو سیاسی ڈھانچہ تیار ہوا ہے۔جس میں مرکزی جماعتوں میں مواقع پرست سیاست کی روح کو تقویت ملی ہے۔جس میں تشدد غالب ہے۔ ریاست اپنے رسمی کاموں کی تجدید کرتی ہے۔

بڑھتی ہوئی سیاسی تقسیم جو کہ مستقبل میں پاکستان میں وفاقیت اور جمہوریت میں کردار ادا کریں گی۔ جہاں عالمی سطح پر نسلی گروہ بندی مغلوب ہو وہاں منتخب حکومت براہ راست حکومت کی بھاگ دوڑ خود سنبھال لیتی ہے۔لیکن پاکستان میں سیاسی جماعتیں اتنی خودمختار نہیں اصل میں بیوروکریسی جمہوری عمل میں مستقل طور پر ایک رکاوٹ ہے۔ دیگر قومیں خاص کر میڈیا جو بھی زیر تسلط علاقوں کی ثقافتوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنے اور سیاسی جماعتوں پر ریاستی جبر کا تذکرہ کرنے سے گریزاں ہے۔ درحقیقت سول سوسائٹی کے ذریعے نظریاتی تسلط کو مستقل کیا جا رہا ہے جبکہ سیاسی جماعتیں اور سول سوسائٹی دونوں جمہوریت کے قیام کیلئے اہم

کردار ادا کرسکتی ہے پاکستان کی تلخ تاریخ کو دوبارہ خوشگوار بنا سکتے ہیں۔

دراصل پاکستان ایک کثیر القوامی ریاست ہے جہاں پر چار بڑی قومیں آباد ہیں۔ ان قوموں کے وجود سے انکار پاکستان اور پاکستانی قوم کے باوجود سے انکار کے مترادف سے بلکہ یہی قومیتیں مملکت پاکستان کی بقاء اور تحفظ کا ضامن ہیں۔ ان مختلف قومیتوں کو ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار کر کے ان میں بد دلی اور بد اعتمادی پیدا کرنا یا ان کے حقوق سے انکار کر کے ان قومیتوں کو اپنے حقوق کے حصول کیلئے جدوجہد اور جنگ پر مجبور کرنا پاکستان کی ریاست کی سلمیت اور اتحاد سے طبع آزمائی ہے۔

اسی طرح پاکستان میں قومی سوال اور طبقاتی سوال ایک ہی تصور کے دو رخ ہیں۔ جن کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا مظلوم قومیں اس وقت تک اپنے قومیتی حقوق حاصل نہیں کرسکتیں جب تک کہ وہ قومی جدوجہد کے ساتھ اپنے اندر موجود مخصوص اشرافیہ اور جاگیرداروں کا قلع قمع نہ کرلیں۔ (طاہر، ۱۹۸۹)

جو ریاستی اختیار اور طاقت پر قابض ہیں اپنی طاقت کو برقرار رکھنے کیلئے مختلف ہتھکنڈے استعمال کر کے ان قوم پرست جماعتوں کو ملک دشمن دشمنی کی شدت میں تیزی لاتی ہے۔ آبادی کو فرقوں اور قبیلوں میں تقسیم کرتا ہے۔ مختلف قومیتوں کو آپس میں لڑانا قومی جبر کو برقرار رکھنا اور قوموں پر ظلم واستحصال کرنا ان کی خصوصیات میں شامل ہے۔ اگر آئین کی روح سے ان صوبوں میں اختیارات تقسیم کردی جائے ان کے اندرونی معاملات ان کے اپنے ہی اداروں کے سپرد کر کے ان پر صرف نگرانی کی جائے اصلاح پسندی، ترقی اور خوشحالی پیدا کی جاسکتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ احمد، مہوش، ہوم فرنٹ، دی چیلنجنگ فیس آف بلوچستان سیپر یسٹ، انسرجنی، دی کاروان، ۱جولائی ۲۰۱۴۔

۲۔ احمد، فیروز، (۱۹۹۸)، ہتنک سٹی اینڈ پولیٹیکلس ان پاکستان، کراچی، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔

۳۔ الوی، حمزہ، (۱۹۹۰)، ایتھوریٹیریزم اینڈ لیجیٹما ئیزیشن آف اسٹیٹ پاور ان پاکستان ان دی پوسٹ کولونیل اسٹیٹ ان ایشیاء ڈائی لکٹس آف پولیٹیکس اینڈ کلچر، ایڈ ڈبائی، ایس، کے متر انیویارک: ہاروسٹ ویٹ شیف۔

۴۔ عزیز، کے، کے، (۱۹۹۳)، مارڈر آف ہسٹری: اے کریٹک آف ہسٹری یوز ڈان پاکستان لاہور: ون گارڈ بکس۔

۵۔ گزدار، حارث، بگٹی اینڈ دی بلوچ کاز اکنامکس اینڈ پولیٹیکل ویکلی، ستمبر۳۰، ۲۰۰۶۔

۶۔ جلال، عائشہ، (۱۹۹۰)۔ دی اسٹیٹ آف مارشل رول: دی اوریجنز آف پاکستان پولیٹیکل اکنامی آف ڈیفینس، کیمرج: کیمرج یونیورسٹی پریس۔

۷۔ جلال، عائشہ (۱۹۹۵) ڈیموکریسی اینڈ اتھوریٹریزم ان ساؤتھ ایشیا: اے کمپیرا ٹیو اینڈ ہسٹوریکل پراسپکٹیو، کیمرج، کیمرج یونیورسٹی پریس۔

۸۔ خان، عدیل (۲۰۰۵) پولیٹیکس آف آئیڈینٹی: ہتنک ۔ نیشنلزم اینڈ دی ایسٹ ان پاکستان، نیودہلی سیج پبلیکیشن ۔

۹۔ نیوبرگ، پاؤلا، (۱۹۹۵)، جاجنگ دی اسٹیٹ: کورٹس اینڈ کونسٹیٹیشنل پولیٹکس ان پاکستان، کیمرج یونیورسٹی پریس۔

۱۰۔ پاشا مصطفیٰ کمال (۱۹۹۸) کولونیل پولیٹیکل اکنامی: رکوُمنٹ اینڈ انڈ وڈیولپمنٹ ان دی پنجاب کراچی: آکسفورڈ یونیورسٹی۔

۱۱۔ رضا، احمد، اینڈ ریاض سہیل، ٹوپ بلوچستان مانسٹر ایجز ا یکسٹرا۔ جوڈیشنل کلنگز، جی، جی سی اردو، ۲۴، ۲۰۱۰ء۔

۱۲۔ ساہی، آؤن، الیکشن آرکونسپر یسی، دی نیوز انٹرنیشنل، ۲۶ مئی، ۲۰۱۳ء۔

۱۳۔ شاہ، سید علی، فیڈرل گورنمنٹ آرگیوٹو آراؤفورن ایڈا ایجنسی ان ہر یکویک ۔ ہٹ، آواران، ڈان، ۱۸ اکتوبر، ۲۰۱۳ء۔

۱۴۔ سید، انور، ہیپچ، دی پاکستان پیپلز پارٹی اینڈ سی پنجاب: نیشنل اسمبلی الیکشن، ۱۹۹۸، اینڈ ۱۹۹۰، ایشیین سروے، ولیم، ۳۱، نمبر ۷ (جولائی، ۱۹۹۱)، صفحہ ۵۸۱۔۵۹۷۔

۱۵۔ نان، تائی ینگ (۲۰۰۵) دی گیریسن اسٹیٹ: ملٹری، گونمنٹ اینڈ سوسائٹی ان کولونیل پنجاب، ۱۸۴۹۔۱۹۴۷، لندن سیج۔

۱۶۔ تور، سعدیہ (۲۰۱۱)، دی اسٹیٹ آف اسلام: کلچر اینڈ کولڈ وار پولیٹکس ان پاکستان، لندن: پلوٹو پریس۔

۱۷۔ والش، ڈکلن، پاکستان سیکریٹ ڈرٹی وار، ریگارڈیین، ۲۹، مارچ ۲۰۱۱ء۔

۱۸۔ وسیم، محمد (۱۹۹۴)، پولیٹیکس اینڈ دی اسٹیٹ ان پاکستان، اسلام آباد: نیشنل انسٹیٹیوٹ آف ہسٹوریکل اینڈ کلچر ریسرچ۔

۱۹۔ ذولفقار شہزادہ، بلوچستان اسپیس لینک ٹومسنگ پرسن ایشو، پاکستان ٹوڈے، ۱۴ دسمبر ۲۰۱۳ء۔

۲۰۔ محمد فیاض کانس ٹریکٹنگ بلوچ ملٹینیسی ان پاکستان ساؤتھ ایشیا جنرل، فارگلٹن کان فلیکٹ ان بلوچستان۔

۲۱۔ فارہسٹری آف بلوچ پولیٹکس ریٹ، الیکشن ۲۰۰۸: پولیٹکل ڈسٹی گریشن ان بلوچستان، ۲۵ جنوری ۲۰۰۸ء۔

۲۲۔ سلمان، رافع، دی جینز آف بلوچ نیشنلزم: پولیٹکس اینڈ ہتنیسٹی ان پاکستان ۱۹۴۷۔۱۹۷۷، راوٹ لیج لفدن اینڈ نیو یارک۔

۲۳۔ عمران محمد، اکرام الحق محمد، ۲۰۱۶، پاکستان فیڈریشن اور بلوچ نیشنلزم: اے پروسپیکٹ آف اکنامکس ڈولپمنٹ اینڈ پولیٹیکل چیلینجز کینڈ بیین اکیڈمی آف اوری اینٹیشن اورروکیڈنٹل کلچر۔

۲۴۔ نعمت اللہ ۲۰۱۲ء، داستان الم، صفہ، بلوچیہ لوزانک کوئیٹہ بلوچستان۔

۲۵۔ طاہر، بلوچستان، کیا ہوا، کیا ہوگا، ۱۹۸۹، پاکستان ادب پبلی کیشنز۔

۲۶۔ کامران اصدرعلی، کمیونسٹ ان اے مسلم لینڈ: کلچر ڈیبیٹ ان پاکستان ہرلی ہیرس، ماڈرن ایشین اسٹڈی ۴۵، نمبر ۳ (۲۰۱۱) صفحہ ۵۰۳۔

۲۷۔ عالیہ عامر علی، پولیٹیکل کلچر آف دی بلوچ نیشنل مومنٹ، (ایم فل تھیسز قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۹)

۲۸۔ نعمت اللہ گچکی داستان الم، ۲۰۲۱، قلات پبلیکیشن کوئیٹہ۔

۲۹۔ اصغر مجید، غیر ملکی ایجنسیوں کی کارستانیاں، یکم جون ۲۰۱۲ء، روزنامہ جنگ اخبار۔

۳۰۔ ایضاً، سیاسی پارٹیاں توجہ فرمائیں، ۲ مئی، ۲۰۱۱ روزنامہ جنگ اخبار۔

۳۱۔ عاصم سجاد، (۲۰۱۴) اے ٹو پرہسٹری؛ فیڈرلزم اینڈ ڈیموکریسی ان پاکستان، انسٹیٹوٹ آف ساؤتھ ایشین اسٹڈیز نیشنل یونیورسٹی آف سنگاپور۔